

ڈارون ازم غیر اسلامی نظریہ

مولانا ارشد جمال

الاسلام مشن

بنارس، یوپی

جملہ حقوق محفوظ

Darewinism ghair islami nazariya

by

**Maulana Arshad jamal.
D.43/107,Bazar Sadanand.
Varanasi.U.P.(India)221001
9307324317
E-mail:info@alislammission.com**

First on line Published: May- 2011

Al-Islam mission

Varanasi.U.P.India.

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

”نظریہ ارتقاء حیات“ جسے انگریزی میں ”Darwinism“ کہتے ہیں۔ یہ نظریہ چارلس ڈارون (Charles Darwin) کی نسبت سے مشہور و معروف ہے۔ ڈارون 12 فروری 1809 میں انگلینڈ میں پیدا ہوا اور 19 اپریل 1882 میں فوت ہو گیا۔ اُس نے 1859 میں ایک کتاب: ”The Origin of Species by means of Natural Selection“ (نوع کی ابتدا بذریعہ فطری انتخاب) نام سے شائع کی جس میں اُس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ دنیا بھر میں پائے جانے والے جاندار از سر نو پیدا نہیں ہوئے ہیں، بلکہ ایک ہی نوع کے جاندار ارتقاء کرتے کرتے فطری انتخاب کے تحت مختلف شکل و صورت اختیار کر گئے ہیں۔ پھر اُس نے 1871 میں اپنی ایک اور کتاب: ”The Descent of man“ (انسانی وجود کا اتار چڑھاؤ) شائع کی جس میں اُس نے یہ دکھایا کہ انسان بھی از سر نو پیدا نہیں ہوا ہے، بلکہ یہ دنیا کے پرانے بندروں کے درمیان ارتقاء کرتے کرتے انسان بنا ہے۔ [1] اس نظریے کے مطابق دنیا کا پہلا انسان از سر نو پیدا نہیں ہوا، بلکہ وہ کسی حیوان کے لٹن سے نکلا ہے۔ اسلامی نظریے کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام دنیا کے پہلے انسان ہیں۔ ڈارون ازم کے مطابق حضرت آدم کی پیدائش کسی حیوان کے لٹن سے لازم آتی ہے۔ یہ سراسر غیر اسلام نظریہ ہے۔ چونکہ مسلمانوں کا بھی ایک بڑا طبقہ ڈارون ازم پر یقین رکھتا ہے، اس لئے میں نے یہ مضمون خاص اُنہی لوگوں کے لئے لکھا ہے جس میں قرآن وحدیث کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے کہ دنیا کا پہلا انسان کسی حیوانی ارتقاء کے بغیر از سر نو وجود میں آیا تھا۔ اس مسئلے کو حسب ذیل دلیلوں سے ثابت کیا گیا ہے۔

﴿پہلی دلیل﴾

پہلے انسان کی پیدائش کے سلسلے میں قرآن کی یہ آیتیں ہماری رہنمائی کرتی ہیں:-

(1) ﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ﴾ [آل عمران: 59]

(بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی کہاوت آدم کی کہاوت کی طرح ہے جسے اُس نے خشک مٹی سے

پیدا کیا۔)

﴿كَفَرَتْ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّيَكَ رَجُلًا﴾ [کہف: ۳۷]
(کیا تجھے اُس کا انکار ہے جس نے تجھے خشک مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر تجھے تندرست

مرد بنایا۔)

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبُعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تُرَابٍ﴾ [ح: ۵]
(اے لوگو! اگر تمہیں دوبارہ زندہ کئے جانے میں شک ہے تو بے شک ہم نے تمہاری اصل کو خشک مٹی سے پیدا کیا۔)

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ﴾ [روم: ۲۰]
(اور اُس کی ایک نشانی یہ ہے کہ اُس نے تمہاری اصل کو خشک مٹی سے پیدا کیا، پھر جیسی تم لوگ بشر ہو کر پھیل پڑتے ہو۔)

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ﴾ [غافر: ۶۷]
(وہی جس نے تمہیں خشک مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر خون کے قطرے سے۔)
﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا﴾ [فاطر: ۱۱] (اور اللہ نے تمہیں خشک مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر تمہیں جوڑ بنایا۔)
(۲) ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ﴾ [الغام: ۳] (وہی ہے جس نے تمہارے پہلے انسان کو ”گیلی مٹی“ سے پیدا کیا۔)

﴿وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ﴾ [حمہ: ۷]
(اور اُس نے انسان کی پیدائش ”گیلی مٹی“ سے شروع کی۔)
﴿إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ طِينٍ﴾ [ص: ۷۱]
(جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ بے شک میں گیلی مٹی سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں۔)

(۳) ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِنْ طِينٍ﴾ [مؤمنون: ۱۲]
(اور تحقیق کہ ہم نے پہلے انسان کو گیلی مٹی کے ٹپوڑ سے پیدا کیا۔)

(۴) ﴿اِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَّازِبٍ﴾ [صافات: ۱۱]

(بے شک ہم نے اُن کے پہلے انسان کو چپکنے والی مٹی سے پیدا کیا۔)

(۵) ﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلٰصٰلٍ مِّنْ حَمٍَٔ مَّسْنُوْنٍ﴾ [حجر: ۲۸]

(اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا: بے شک میں ریت ملی ہوئی سوکھی بجنے والی مٹی سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں جو پہلے کالی بدبودار کچر تھی۔)

(۶) ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلٰصَالٍ کَالْفَخَّارِ﴾ [رحمن: ۱۴]

(اللہ نے انسان کو کھٹکھٹاتی مٹی سے پیدا کیا جو پکی مٹی کی طرح تھی۔)

قرآن نے مختلف آیتوں میں جو کچھ بیان کیا ہے۔ اُسے اس طرح ترتیب وار سمجھنا چاہئے:-
زمین سے ریتی مٹی لی گئی، پھر وہ مٹی گارے کی طرح ”گیلی مٹی“ ہو گئی، پھر وہ گیلی مٹی کچھ خشک ہو کر سخت ہوئی تو اُس کے اندر لُس پیدا ہوئی اور وہ ”چپکنے والی مٹی“ بن گئی، پھر دھیرے دھیرے وہ ”کالی“ پڑ گئی اور اُس سے ”بو“ آنے لگی۔ پھر وہ ”ٹھیکری“ کی طرح سخت ہو گئی اور ”پکلی مٹی“ کی طرح ”بجنے اور کھٹکھٹانے والی مٹی“ بن گئی۔ اس طرح چند مرحلوں سے گذر کر پہلے انسان کا پُتلا تیار ہوا۔

قرآن نے مختلف آیتوں میں مختلف مرحلوں کا ذکر کیا ہے۔ ”ریتی مٹی یا گیلی مٹی“ آدم کی پیدائش کا ابتدائی مرحلہ ہے اور کھٹکھٹانے اور بجنے والی مٹی آدم کے پتلے کا آخری مرحلہ ہے۔ ان آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کسی حیوان کے لطن سے پیدا نہیں ہوئے تھے، بلکہ اُن کا جسم مٹی کا ایک پُتلا تھا جیسے کوئی بے جان مورت۔

یہاں ارتقاء والے کہتے ہیں کہ ”آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے“ ہم بھی مانتے ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ کہار کی طرح اُن کا کوئی پُتلا بنایا گیا تھا، بلکہ معاملہ یہ کہ پہلا جاندار جو اس زمین پر پیدا ہوا وہ سڑی ہوئی کچھڑ سے پیدا ہوا تھا جسے ”اُمبیا“ کہتے ہیں۔ پھر وہی جاندار ارتقائی مرحلوں سے گذرتا رہا، نسل در نسل پھیلتا رہا، مختلف شکلوں صورتوں اور ڈھانچوں میں بدلتا رہا، یہاں تک کہ وہ وقت بھی آیا کہ اُس ”اُمبیا“ کی ایک اولاد کے لطن سے ”آدم“ پیدا ہوا۔ چاہے اس کو یوں کہا جائے کہ ”اُمبیا“ ارتقاء کرتے کرتے آدم جیسا انسان بن گیا یا یوں کہا جائے کہ آدم مٹی سے پیدا ہوا، بات اصل میں دونوں ایک ہی ہے۔

قرآن کی آیتوں کی یہ تاویل درست نہیں، کیونکہ ارتقاء والے ”امبیا“ کی پیدائش کا صرف ایک مرحلہ بتاتے ہیں اور وہ ہے کیچڑ۔ آدم اُسی ”امبیا“ کی ارتقائی شکل کا نام ہے۔ لیکن قرآن نے صرف یہی نہیں کہا کہ آدم کیچڑ یا گیلی مٹی سے پیدا ہوئے تھے، بلکہ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ آدم جس گیلی مٹی سے پیدا ہوئے تھے وہ کالی چپکنے والی بودار مٹی تھی۔ سڑی ہوئی کیچڑ سے کسی کیڑے کا پیدا ہونا تو سمجھ میں آتا ہے، لیکن ٹھیکری کی طرح سخت اور پکی مٹی کی طرح بجنے اور ٹھکنے والی مٹی سے کسی کیڑے کا پیدا ہونا عجیب حیرت انگیز بات ہے، جبکہ قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ آدم اسی طرح کی مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔ ”امبیا“ سے آدم تک کے ارتقائی مرحلوں میں اس طرح کی مٹی کہیں پائی جاتی ہے؟ آخر قرآن کی ان آیتوں کی کیا تشریح کریں گے جس سے نظریہ ارتقاء نکراتا ہے۔ ان آیتوں کا انکار تو آسان ہے، لیکن یہ تاویل کرنا بہت مشکل ہے کہ ”امبیا“ مٹی سے پیدا ہوا اور آدم ”امبیا“ ہی کی ایک ارتقائی شکل ہے، گویا آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔ البتہ ہم نے قرآن کی آیتوں کا جو مطلب بیان کیا کہ..... آدم کی پیدائش ارتقائی نہیں، بلکہ مٹی کے ایک پتلے سے، ایک بے جان مورت سے ہوئی ہے..... سو فی صد درست ہے۔ ہمارے اس موقف کی تائید ان حدیثوں سے بھی ہوتی ہے:

• حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی خَلَقَ اٰدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ قَبْضُهَا مِنْ جَمِيعِ الْاَرْضِ فَجَاءَ بَنُو اٰدَمَ عَلٰی

قَدَرِ الْاَرْضِ ، جَاءَ مِنْهُمْ الْاَحْمَرُ وَالْاَبْيَضُ وَالْاَسْوَدُ وَبَيْنَ ذَلِكَ وَاسْهَلُ وَالْحَزَنُ وَالْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ“۔

(بے شک اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا جو تمام روئے زمین لی گئی تھی جس میں سرخ، سفید، کالی اور ایسی ہی رنگ کی مٹی شامل تھی اور جس میں نرم، سخت، اچھی بری ہر طرح کی مٹی شامل تھی۔ اس لئے آدم کی اولاد میں کی رنگا رنگ مٹی کی طرح مختلف رنگ اور مختلف عادت کی پیدا ہو گئی۔

طبری کی روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ: پھر وہ مٹی گیلی ہو گئی، یہاں تک کہ وہ چپکنے والی مٹی ہو گئی، پھر اُسے چھوڑ دیا گیا، یہاں تک کہ وہ بودار کالی مٹی ہو گئی۔ پھر اُسے چھوڑ دیا گیا، یہاں تک کہ وہ ٹھکنے والی مٹی ہو گئی۔)

امام ترمذی نے اس حدیث کو ”حسن صحیح“ کہا ہے اور امام حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح

الاسناد ہے اور امام ذہبی اس کو صحیح قرار دیا۔ [۲]

• حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
”ان اللہ خلق آدم من تراب ثم جعله طیناً ثم ترکہ حتی اذا کان حمأً مسنوناً خلقت
اللہ وصورہ ثم ترکہ حتی اذا کان صلصالاً کالفخار قال: فکان ابلیس یمربہ فبقول لقد خلقت
لامر عظیم۔“

(بے شک اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر اُسے گیلی مٹی بنا کر چھوڑ دیا، یہاں تک کہ جب وہ
بودار کالی کیچڑ ہو گئی تو اللہ نے آدم کا پتلا بنایا اور اُن کی صورت بنا کر چھوڑ دیا، یہاں تک کہ وہ پُتلا کھٹکھٹانے اور
بجنے والی پکی مٹی کی طرح ہو گیا۔) [۳]

ان روایتوں سے ثابت ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام پیٹ سے پیدا نہیں ہوئے تھے، بلکہ
اُن کا مٹی کا پتلا بنایا گیا تھا۔

﴿دوسری دلیل﴾

پیٹ سے جو جاندار نکلتا ہے، وہ چھوٹا ہوتا ہے، پھر دھیرے دھیرے بڑھتا ہے اور بڑا
ہوتا ہے، لیکن حضرت آدم کی جب پیدائش ہوئی تھی تو وہ کسی بچے کی طرح چھوٹے نہیں تھے، بلکہ بہت
بڑے تھے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
”خلق اللہ آدم وطولہ ستون ذراعاً۔“

(اللہ نے آدم کو پیدا کیا تو وہ ساٹھ ہاتھ کے تھے۔) [۴]

عربی قاعدے کے لحاظ سے واؤ کے بعد کا جملہ لفظ ”آدم“ سے حال واقع ہے جو معرفہ ہے
اور ذوالحال ہے۔ ایسے حال اور ذوالحال کے درمیان جو ”واؤ آتا ہے وہ اس بات کی تاکید کے لئے
ہوتا ہے کہ حال کا ذوالحال سے گہرا ربط ہے جو کبھی اپنے ذوالحال سے جدا نہیں۔ [۵] اس قاعدے کی
روشنی میں یہ ثابت ہوا کہ اللہ نے جب حضرت آدم کو پیدا کیا تھا تو وہ اپنی پیدائش کے وقت ہی ساٹھ
ہاتھ کے تھے۔ ایسا نہیں کہ پہلے چھوٹے تھے، پھر بڑھتے بڑھتے ساٹھ ہاتھ کے ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ
آدم کسی حیوان کے لٹن سے پیدا نہیں ہوئے تھے۔ ایک اور روایت ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام
کی لمبائی کا ذکر ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا:

”اَن اَدَمَ كَانَ رَجُلًا طَوَالًا كَانَهُ نَخْلَةٌ سَحَوَقٌ ، كَثِيرٌ شَعْرُ الرَّأْسِ “-

(بے شک آدم بہت لمبے مرتھے جیسے کوئی گھجور کا درخت ہو، اُن کے سر پر بہت زیادہ بال تھے۔) [۶]
کہیں اتنا لمبا جاندار پیٹ سے نکلتا ہے؟!

﴿تیسری دلیل﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ تَرَكَهُ مَاشَاءً اِنْ يَدْعُهُ فَجَعَلَ اِبْلِيسُ يُطِيفُ بِهِ فَلَمَّا رَآهُ اَحْوَفَ عَرَفَ اَنَّهُ خَلَقَ لَا يَمْلِكُ “-

(جب اللہ نے آدم کا پتلا تیار کیا تو اُسے اللہ نے جتنے دنوں تک چھوڑنا چاہا، چھوڑ دیا، پھر ابلیس اُسے گھوم پھر کر دیکھنے لگا کہ یہ کیا ہے؟ جب اُس نے پتلے کے اندر پیٹ کی خالی جگہ کو دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ اس طرح پیدا ہوا ہے کہ بے بس رہے گا۔)

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا تیار کیا گیا تھا اور وہ ایک عرصے تک یوں ہی کھڑا تھا۔ [۷]

اس سلسلے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی یہ کہتے ہیں کہ: ”اللہ تعالیٰ نے آدم کی مٹی اٹھالانے کا حکم دیا پھر آدم کو چپکنے والی کالی بودار مٹی سے پیدا کیا۔ وہ مٹی کے بعد کالی بودار کیچڑ تھے، پھر اُسی سے اللہ نے اپنے ہاتھ سے آدم کو پیدا کیا، پھر چالیس راتوں تک اُن کا پتلا یوں ہی پڑا رہا۔ ابلیس وہاں آتا تو اپنے پاؤں سے اُس پتلے کو مارتا تو وہ کھٹکھٹاتا اور بچتا۔“ [۸]

﴿چوتھی دلیل﴾

جب کوئی جاندار پیٹ سے نکلتا ہے تو وہ جسم اور جان ایک ساتھ لے کر نکلتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ پہلے بے جان جسم باہر آئے، پھر بعد میں اُس کے اندر جان آئے، لیکن حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا معاملہ اس کے عکس نظر آتا ہے۔ پہلے اُن کا جسم تیار ہوتا ہے، پھر بعد میں اُس کے اندر روح پھونکی جاتی ہے، جیسا کہ قرآن کی اس آیت سے سمجھ میں آتا ہے:

﴿فَإِذَا سَوَّيْتَهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَجِدِينَ﴾ [حجر: ۲۹، ۳۰]

(جب میں اُسے پوری طرح ٹھیک کر دوں اور اُس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اُس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔)

قرآن نے یہاں ”تَّوْبِي“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ عربی لغت کے اعتبار سے ”تَّوْبِي“ کا مطلب ہوتا ہے: سڈول جوان جسم بنانا۔ [۹]

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت جبریل کو حضرت مریم کے پاس بھیجا تھا جن کی پھونک سے حضرت مریم حاملہ ہوئی تھیں اور وہ حمل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی صورت میں ظاہر ہوا تو اُس وقت حضرت جبریل ایک خوبصورت، سڈول جوان کے بھیس میں آئے تھے۔ اُس بھیس کو قرآن میں اسی لفظ ”تَّوْبِي“ کے ذریعے بیان کیا گیا ہے، چنانچہ قرآن میں ہے: ﴿فَاَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾ [مریم: ۱۷] (یعنی ہم نے مریم کے پاس اپنی روح (جبریل) کو بھیجا تو اُس نے اُس کے لئے تندرست اور خوبصورت جوان آدمی کا بھیس بنایا۔)

ظاہر ہے کہ حضرت جبریل بچہ بن کر تو نہیں آئے ہوں گے۔ یعنی جب ایسے مقام پر ”تَّوْبِي“ کا لفظ بولا جائے تو اُس سے جوان اور سڈول آدمی مراد ہوگا۔ اب ان آیتوں کا مطلب یہ بنا کہ حضرت آدم کی پیدائش دومرحلوں میں ہوئی۔ پہلے مرحلے میں اُن کا جسم تیار ہوا، قرآن کے الفاظ کے مطابق وہ جسم جوان تھا، یعنی سڈول خوبصورت اور ہر طرح سے درست۔ دوسرے مرحلے میں اُس کے اندر روح ڈالی گئی۔ گویا قرآن حضرت آدم کے جوان جسم میں روح ڈالنے کی بات کر رہا ہے جو پہلے تیار موجود تھا۔ ارتقائی صورت میں ایسا ممکن نہیں، کیونکہ ماں کے پیٹ سے نکلنے والا بچہ ایک تو چھوٹا جسم لے کر نکلتا اور پھر وہ روح کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسی طرح کی بات حدیث میں بھی کہی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ وَنَفَخَ فِيهِ الرُّوحَ عَطَسَ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ فَحَمَدُ اللَّهِ بِأُذُنِهِ، فَقَالَ لَهُ رَبُّهُ: رَحِمَكَ اللَّهُ“۔

(جب اللہ نے آدم کو پیدا کیا اور اُس میں روح پھونکی تو انھیں چھینک آئی تو انھوں نے اللہ کے حکم سے الحمد للہ کہا تو اُن کے رب نے اُن سے کہا: رَحِمَكَ اللَّهُ۔) [۱۰]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لَمَّا نَفَخَ فِي آدَمَ فَبَلَغَ الرُّوحَ رَأْسَهُ عَطَسَ فَقَالَ الْحُمْلِلِلِلِ رَبِّ الْعَالَمِينَ فَقَالَ لَهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَرْحَمُكَ اللَّهُ“ - [۱۱]

(جب آدم میں روح پھونکی گئی تو روح اُن کے سر میں پہنچی، انھیں چھینک آئی تو انھوں نے الحمد للہ رب العالمین پڑھا تو اللہ تبارک نے اُس پر کہا: برکت اللہ۔)

ان حدیثوں سے صاف ظاہر ہے کہ آدم کا جسم پہلے بنا، روح اُس میں بعد میں ڈالی گئی۔ یہ اُسی صورت میں ممکن ہے، جبکہ یہ عمل پیٹ سے باہر ہو، کیونکہ پیٹ سے پیدا ہونے والا جاندار جسم اور روح دونوں ساتھ لے کر پیدا ہوتا ہے۔ پھر روح پڑنے کے بعد آدم کو چھینک آنا اور اُس پر اللہ تعالیٰ کا رحمت اللہ کہنا بھی اس بات پر دلیل ہے کہ یہ پیٹ سے باہر کا واقعہ ہے، کیونکہ پیٹ کے اندر چھینک آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب چھینک باہر کی فضا ہی میں ممکن ہے اور یہ چھینک روح پڑے ہی آئی تو ثابت ہوا کہ حضرت آدم کے جسم میں روح کا پڑنا باہر کی دنیا میں ہوا ہے۔ پھر باہر کی دنیا میں روح کا پڑنا اس بات کی دلیل ہے کہ اُن کا جسم بھی باہر ہی تھا۔ گویا یہ تینوں معاملہ (جسم، روح اور چھینک) پیٹ سے باہر کا معاملہ ہے۔

﴿پانچویں دلیل﴾

حضرت آدم کے جسم میں روح پڑنے اور چھینک آنے کے بعد ایک اور معاملہ پیش آیا جس کا ذکر حدیثوں میں اس طرح آتا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! جاؤ بیٹھے ہوئے اُن فرشتوں کو سلام کرو اور سنو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ جو وہ جواب دیں گے، وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام و جواب ہوگا۔ چنانچہ حضرت آدم آگے بڑھے اور کہا: السلام علیکم“۔ فرشتوں نے جواب دیا: علیکم السلام ورحمۃ اللہ“ - [۱۲]

حدیثوں کے ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی پیدائش کے بعد ہی چلنے پھرنے، فرشتوں سے بات کرنے اور خدا سے ہمکلام ہونے کے لائق ہو گئے تھے، کیا کسی جاندار کے بچے سے ایسا ممکن ہے کہ وہ پیٹ سے نکلتے ہیں سمجھ وال ہو جائے، پاؤں سے چلنے لگے، منہ سے بولنے لگے۔ بولے بھی تو فرشتوں سے بولے، سمجھے بھی تو خدا کی بات سمجھے؟ یہ سب باتیں تو جو اس سال شخص کے لئے ہو سکتی ہیں؟ گویا حضرت آدم پیدا ہوئے تو جوان تھے۔ پیٹ سے نکلنے والا ”بچہ“ ہوتا ہے نہ کہ جوان۔ یعنی حضرت آدم پیٹ سے نہیں ”مٹی کا پتلا بن کر پیدا ہوئے تھے۔

﴿چھٹی دلیل﴾

آدم اور ابلیس کا قصہ مشہور ہے کہ اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ جب میں آدم کو پیدا کر لوں تو تم سب اُس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ چنانچہ سب نے آدم کو سجدہ کیا، مگر ابلیس اکر گیا اور آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور بولا کہ میں اُس سے بہتر ہوں۔ وہ مٹی سے بنا ہے اور میں آگ سے۔ ابلیس کی اس سرکشی پر اللہ نے اُسے دھتکارتے ہوئے کہا: چل یہاں سے تو تو مردود ہے۔ [۱۳]

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سارا واقعہ کہاں پیش آیا تھا؟ نظریہ ارتقا کے مطابق اسے زمین پر ہونا چاہئے، کیونکہ آدم کا ارتقا زمین ہی پر ہوا تھا، حالانکہ قرآن وحدیث کے مطابق یہ سارا واقعہ آسمان میں پیش آیا تھا، کیونکہ اس واقعے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو دھتکارا تھا اور اُسے کہا تھا کہ یہاں سے نکل جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

﴿قَالَ أَخْرِجْ مِنْهَا مَذْمُومًا مَذْمُورًا﴾ [اعراف: ۱۸]

(کہا کہ یہاں سے نکل، پھٹکارا ہوا، دھتکارا ہوا۔)

﴿قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ﴾ [حجر: ۲۳، ص: ۷۷]

(کہا کہ یہاں سے نکل جا، کیونکہ تو تو مردود ہے۔)

﴿قَالَ اهْبِطْ مِنْهَا فَمَآ يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ

الصَّغِيرِينَ﴾ [اعراف: ۱۳]

(کہا کہ یہاں سے نیچے اتر، کیونکہ تجھے اجازت نہیں کہ تو اس میں گھمنڈ کرے، لہذا تو نکل

جا، کیونکہ تو گھٹیا لوگوں میں سے ہے۔)

اگر حضرت آدم زمین پر تھے تو ظاہر ہے کہ ابلیس بھی زمین ہی پر ہوگا تو جب اُسے نکلنے کا حکم ہوا تو کیا اُسے زمین سے نکلنے کا حکم ہوا؟ کیا اُسے زمین سے زمین کی طرف نکالا گیا؟ یہ تو عجیب بے معنی بات ہوئی! پھر ایک آیت میں یہ بھی کہا گیا کہ ”یہاں سے نیچے اتر، کیونکہ کہ تجھے اس بات کی چھوٹ نہیں کہ یہاں تکبر کرے؟“ نیچے اترنے کا لفظ بتاتا ہے کہ ابلیس زمین پر نہیں تھا اور پر آسمان ہے، یعنی اُس کو آسمان سے نیچے اترنے کا حکم ہوا تھا، پھر اس طرح بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ابلیس کو جس جگہ سے نکلنے کا حکم ہوا تھا، وہاں تکبر کرنے والوں کا گذار نہیں اور ابلیس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار

کر کے تکبر سے کام لیا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ جگہ زمین نہیں ہو سکتی، کیونکہ ابلیس زمین ہی پر ہے اور وہ ہر طرف تکبر کرتا پھر رہا ہے۔ ہاں وہ جگہ آسمان ہے جہاں فرشتے رہتے ہیں وہاں کسی تکبر کرنے والے کا گذرا نہیں۔ ابلیس کو اسی آسمان سے نیچے باہر نکلنے کا حکم ہوا تھا جہاں اُس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا۔ ثابت ہوا کہ حضرت آدم زمین پر نہیں، بلکہ آسمان میں تھے اور آسمان پر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اُن کی پیدائش ارتقائی طور پر نہیں ہوئی تھی، کیونکہ ارتقاء کے لئے زمین شرط ہے۔ اس سے بھی زیادہ واضح ثبوت یہ ہے کہ ابلیس کو دھنکارنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم اپنی بیوی کے ساتھ جنت میں رہو، جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ [بقرہ: ۳۵، اعراف: ۱۹]

(اور ہم نے کہا: اے آدم! تم! اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔)

ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے جنت کی شان اور اُن کا عیش و آرام بھی واضح کر دیا:

﴿إِنَّ لَكَ أَلًا تَجُوعُ فِيهَا وَلَا تَعْرِى. وَأِنَّكَ لَأَتَّظِمُ فِيهَا وَلَا تَصْحَىٰ﴾ [طہ: ۱۱۸، ۱۱۹]

(بے شک تمہارا حال یہ ہوگا کہ نہ تمھیں جنت میں بھوک لگے گی اور نہ تم ہر نہ ہو گے اور واقعی نہ

تمھیں اُس میں پیاس لگے گی اور نہ دھوپ،)

اگر حضرت آدم کا ارتقا زمین پر ہوا تھا تو وہ آسمان کی جنت میں کیسے پہنچ گئے؟

﴿ساتویں دلیل﴾

جب حضرت آدم کو جنت میں داخل کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں چند ہدایتیں دیں کہ: جو جی چاہے جنت میں کھاتے رہنا، لیکن خاص اُس درخت کے قریب بھی نہ جانا اور نہ تمھیں اپنی بیوی سمیت باہر نکلنا پڑے گا۔ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو بہلا پھسلا کر اُسی درخت کا پھل کھلا دیا۔ [۱۳] اس بھول پر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ جنت چھوڑ کر زمین پر جاؤ، اب تمہارا جینا مرنا وہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان قرآن کی آیتوں میں موجود ہے:-

﴿وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ

جَيْنٍ﴾ [بقرہ: ۳۶]

(اور ہم نے کہا کہ تم سب نیچے اترو۔ تم میں کال بعض، بعض کا دشمن ہے اور ایک مدت تک زمین ہی

پر تمھارا ٹھکانہ اور زندگی کا سامان ہے۔)

﴿قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا﴾ [بقرہ: ۳۸]

(ہم نے کہا کہ تم سب اکٹھیہاں سے اترو۔)

﴿قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ

حِينٍ. قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ﴾ [اعراف: ۲۴، ۲۵]

(کہا کہ تم سب نیچے اترو۔ تم میں کا بعض، بعض کا دشمن ہے اور ایک مدت تک زمین ہی پر تمھارا ٹھکانہ اور زندگی کا سامان ہے۔ کہا کہ اسی زمین پر تم سب جیو گے اور یہیں مرو گے اور یہیں سے تمہیں نکالا جائے گا۔)

﴿قَالَ اهْبِطْ مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ [طہ: ۱۲۳]

(کہا تم دونوں اکٹھا جنت سے نیچے اترو۔ تم میں کا بعض، بعض کا دشمن ہے۔)

﴿يَسِيْرَ آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمْ كَمَا أَخْرَجَ أَبُوْكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ﴾ [اعراف: ۲۲] (آدم کے

بیٹو! شیطان ہرگز تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دے، جیسے اُس نے تمھارے باپ آدم کو جنت سے نکال دیا۔)

ان آیتوں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت چھوڑ کر زمین پر آنا پڑا تھا۔ اُن کا جنت چھوڑنا، زمین پر نہ ہونے کی دلیل ہے اور پھر زمین پر اترنا بھی زمین پر نہ ہونے کی دلیل ہے۔

حدیث کی بھی کچھ روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں داخل کیا گیا تھا اور پھر انھیں وہاں سے زمین پر اتارا گیا، چنانچہ حضرت سعد بن عبادہ اور ابولبابہ بن عبدالمنزہر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”إِنَّ فِي الْجُمُعَةِ خَمْسَ خِلَالٍ فِيهِ خَلِقَ آدَمُ وَفِيهِ اهْبِطَ إِلَى الْأَرْضِ وَفِيهِ تَوَفَّى اللَّهُ آدَمَ“۔ الخ

(بے شک جمعہ میں پانچ اہم باتیں ہیں: اسی دن آدم پیدا ہوئے، اسی دن انھیں زمین پر

اتارا گیا اور اسی دن اللہ نے انھیں وفات دی۔) [۱۵]

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”خَصِرَ يَوْمَ طَلَعَتِ الشَّمْسُ عَلَيْهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ، فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ
وَأُخْرِجَ مِنْهَا، وَفِي رِوَايَةٍ كَعْبٍ: يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ“۔

(سب سے بہتر وہ دن جس میں سورج طلوع ہوا، جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدم پیدا ہوئے، اسی دن جنت میں داخل ہوئے اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔) [۱۶]

ان روایتوں میں تو صاف صاف ذکر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام زمین کی مخلوق نہیں تھے، بلکہ انھیں آسمان کی جنت سے نکال کر زمین پر بسایا گیا تھا۔ پھر یہ بھی غور طلب بات ہے کہ بعض روایتوں میں زمین کے اُس ٹکڑے کا بھی ذکر آیا ہے جہاں حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے اتارا گیا تھا، چنانچہ حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ”ہند“ میں اتارا گیا تھا۔ [۱۷]

اگرچہ اہل علم اختلاف کرتے ہیں کہ انھیں ہند کے کس حصے میں اتارا گیا؟ کوئی کہتا کہ ”دھنج“ اور ”مندل“ کے علاقوں کے درمیان ”بہیل“ وادی کے پاس ایک پہاڑ ہے جس نام ”واسم“ ہے۔ اسی پہاڑ پر حضرت آدم کو اتارا گیا۔ کوئی کہتا ہے کہ ”دھنا“ نام کے علاقے میں اتارا گیا اور کوئی کہتا ہے کہ ”سر ندیپ“ میں ”بوڈ“ نام کا ایک پہاڑ ہے، اسی پہاڑ پر حضرت آدم کو اتارا گیا۔ [۱۸]

بعض روایتوں میں عرب کی سرزمین پر اتارے جانے کا بھی ذکر ملتا ہے۔ [۱۹] بہر حال یہ تو طے ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام زمین کے انسان نہیں تھے، بلکہ زمین پر لا کر انھیں چھوڑا گیا تھا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہرگز زمین پر نہیں ہوئی تھی۔ کیا اتنی واضح دلیلوں کے بعد بھی ”ڈارون ازم“ یعنی ”نظریہ ارتقاء“ درست معلوم ہوتا ہے؟ ایک مسلمان سے تو ایسی امید نہیں۔

مَقَاتِل

[1] Encyclopaedia Britannica:16/977+981

[۲] ترمذی: کتاب تفسیر القرآن باب من سورة البقرة (۲۹۵۵)

ابوداؤد: کتاب الشہر باب فی القدر (۳۶۹۳)

مسند الامام احمد: ۵۳۶/۵ (۱۹۰۸۵) ۵۵۵/۵ (۱۹۱۳۵)

صحیح ابن حبان: کتاب التاريخ باب بدء الخلق (۶۱۶۹)

المستدرک مع الخیض: کتاب التفسیر من سورة البقرة (۳۰۳۷)

تاريخ الامم والملوک: ۹۱/۱

[۳] مسند ابی یعلیٰ: ۱۱/۳۵۳ (۶۵۸۰)

[۴] مسلم: کتاب الجہد باب یدخل الجہد اقوام (۲۸۴۱)

مسند الامام احمد: ۶۰۶/۳ (۸۰۵۳)

صحیح ابن حبان: کتاب التاريخ باب بدء الخلق (۶۱۷۱)

الادب المفرد: ۲۶۵ (۱۰۰۷)

[۵] مدارک التنزیل: ۹۳

[۶] المستدرک: کتاب التفسیر من سورة البقرة (۳۰۳۸)

[۷] مسند الامام احمد: ۶۲۶/۳ (۱۲۱۳۰)

صحیح ابن حبان: کتاب التاريخ باب بدء الخلق (۶۱۷۲)

مسلم: کتاب الجہد: باب یدخل الجہد اقوام (۲۸۴۱)

[۸] تاريخ الامم والملوک: ۹۲/۱

[۹] جامع البیان: ۸/۱۳۸

الکشاف: ۵۵۵/۳-۶۹۴

معالم التنزیل: ۳۹/۳

[۱۰] ترمذی: کتاب تفسیر القرآن باب ۹۴ (۳۳۶۸)

صحیح ابن حبان: کتاب التاريخ باب بدء الخلق (۶۱۷۶)

عمل الیوم والمیلاد: ۵۸، ۸۶ (۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰)

[۱۱] صحیح ابن حبان: کتاب التاريخ باب بدء الخلق (۶۱۷۴)

[۱۲] بخاری: کتاب الاستئذان باب بدء السلام (۶۲۲۷)

مسلم: كتاب الجمعة / باب يدخل الجمعة اقوام (٢٨٣١)
 ترمذي: كتاب تفسير القرآن / باب ٩٣ (٣٣٦٨)
 مسند الامام احمد: ٦٠٦/٢ (٨٠٥٣)
 صحيح ابن حبان: كتاب التاريخ: باب بدء الخلق (٦١٤١)
 عمل اليوم والليالي: ٨٦، ٥٨ (٢٢٠، ٢١٩، ٢١٨)
 [١٣] [بقره: ٢٣٣، اعراف: ١١-١٢، حجر: ٢٨، ٣٣، اسراء: ٦١، ٦٣، كهف: ٢٠، طه: ١١٦، ص: ١٤٠، ٤٤
 [١٤] [بقره: ٢٣٥، ٣٦، اعراف: ١٩، ٢٢، طه: ١١٥، ١٢١، ١٤٠
 [١٥] [تاريخ الامم والملوك: ١١٣/١١٢
 [١٦] [الموطا: كتاب الجمعة / باب ما جاء في السنة التي في يوم الجمعة (١٦)
 مسلم: كتاب الجمعة / باب فضل يوم الجمعة (٨٥٣)
 ترمذي: ابواب الجمعة: باب ما جاء في فضل يوم الجمعة (٢٨٨)
 نسائي: كتاب الجمعة / باب ذكر فضل يوم الجمعة و باب ذكر السنة التي يستجاب فيها الدعاء يوم الجمعة
 ابوداود: كتاب الجمعة / باب فضل يوم الجمعة (١٠٣٦)
 مسند الامام احمد: ١١٦/٣، ١٢٥، ٢٢٦، ٣١٣ (٨٩٥٣، ٩١٣٦، ٩٩٣٠، ١٠٢٦٤)
 [١٧] [تاريخ الامم والملوك: ١٢١/١، البدايه والنهايه: ٨٩/
 [١٨] [تاريخ الامم والملوك: ١٢١/١، ١٢٢/
 [١٩] [البدايه والنهايه: ٨٩/١]